⊙ ڈاکٹر عشرت حسین

لیکچرر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین، مخدوم رشید

زہرا نگاہ کی شاعری میں نسائی حسیت کا اظہار

Abstract:

Feminist poetry is inspired by promoted feminist rules and ideas. It might be written for expressing feminist experience. This paper seeks to offer a reading of Zahra Nigah. Poetry in feminist perspective in the context of her entire volume of work she express against women violence. In south Asia hundreds of such butter flies of bruited honour-killings regularly. Nigah wrote extensively on rights for women. In the Urdu tradition she was poets to challenge the traditional roles of women. Her poetry is remarkable for its lyricism and engagement with women social issue. She wrote short stories of women of Pakistan in nontraditional way in her poetry. The methodology focus on the textual analysis to reveal the feminist sensibility in Zahra Nigah poetry is mostly about the Freedom of Women within the cultural spaces wherein a woman is a symbol of power to positively change the society.

Keywords:

Feminism, Sensibility, Traditional Poetry, Woman, Social Oppression

قدیم شاعرات میں جنہیں اردو کی تاریخ اور منظر نامے میں شہرت اور شناخت ملی۔ ان میں مالقابائی جو پہلی صاحب دیوان شاعرہ کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔ ان کے بعد رسائل میں جس اہم شاعرہ کا نام آتا ہے وہ ز۔خ۔ش ہیں(۱)۔ اگر چہ انہوں نے اپنے آپ کو بہت چھپانے کی کوشش کی کیونکہ اُس وقت خواتین کا شعر و شاعری کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ان کی ایک نظم جو انہوں نے محمڈن یونیورسٹی کے لیے چندے کی اپیل کے لیے لکھی، بہت مشہور ہوئی اور قارئین کی توجہ کا مرکز بنی۔ ان کے کلام کے دو مجموعے ''آئینہ حرم'' اور ''فردوس تخیل'' ہمارے سامنے ہیں جو ان کی تخلیقی اظہار کے عمدہ نمونے ہیں۔ انہوں نے کم عمر پائی۔ ز۔خ۔ش ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں اپنی شاعری میں وہ اسی بات کا اظہار کرتی ہیں کہ ہمارے سماجی، معاشرتی نظریات میں عورت کے لیے تمام راہیں بند کر دی گئی ہیں۔ عورت اپنے داخلی کیفیات کا اظہار نہیں

کرسکتی:

عورتوں کے حق میں ہر مذہب کا ہر ملت کا فرد
جانور تھا دیوتا، عفریت تھا، شیطان تھا
باپ ہو، بھائی ہو، شوہر ہو کہ ہو فرزند وہ
مرد کل اشکال میں فرعون بے سامان تھا
نہ آئے گی نہ آئے گی نظر صورت ترقی کی
نہ ہوں ہم، جو میدان عمل میں رونما بہنو(۲)

ان کے بعد اردو شاعری میں نسائی اظہار کی مثالیں ہمیں ''رابعہ پنہاں'' اور ''بلقیس جمال'' کے ہاں نظر آتی ہیں۔ان کی شاعری کا طرز انداز مرد شعراء سے ملتا جلتا ہے۔لیکن جذبات اور احساسات کی ترجمانی اس طرح کی گئی ہے کہ اُس دور کی عورت کے جذبات کا اندازہ ہم لگا سکتے ہیں۔ان کے ہاں عورت کو باقاعدہ عمل کی دعوت دی گئی ہے اور احساس دلایا گیا ہے کہ عورت کے اندر بہت سی پوشیدہ صلاحیتیں موجود ہیں جو چشمِ ظاہر نہیں دیکھ سکتی۔بلقیس جمال کی شاعری میں جمالیات کا اعلیٰ اظہار ملتا ہے(۳)۔

بیسویں صدی میں بہت سی شاعرات شاعری کر رہی تھیں۔''جمیل احمد'' اپنی کتاب ''تذکرہ شاعرات'' میں جو ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی۔اس میں ۲۰۰/ سے زائد شاعرات کا ذکر کرتے ہیں۔اس وقت خواتین اپنے نام سے شاعری شائع نہیں کراتی تھیں۔بعض دفعہ اُن کے کلام کو شکست دینے کی نظر سے دیکھا جاتا کہ انہیں کو استاد کلام لکھ کر دیتا ہے۔

''ز۔خ۔ش''، ''رابعہ پنہاں'' اور ''بلقیس جمال'' کے علاوہ کچھ اور خواتین کے نام بھی رسائل میں شائع ہوتے جو شعر و شاعری کا شغف رکھتی تھیں۔ان میں خورشید بانو، کنیز فاطمہ، صفیہ شمیم قابل ذکر ہیں۔جو مشاعروں میں بھی شرکت کرتی تھیں۔پھر تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان میں خواتین کو شاعری کرنے کا اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع ملا۔بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ زندگی کی اقدار اور ترجیحات بھی بدل گئیں۔ذوق، مزاج اور ذہنی معیار میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔شعر و شاعری کے موضوعات میں بھی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ادا جعفری، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، کشور ناہید کے علاوہ زہرہ نگاہ عظیم شاعرہ ہیں جنہوں نے اپنی منفرد نسائی حیثیت منوائی۔روایت اور ذاتی تجربات کے نتیجے میں ایسی شاعری تخلیق کی جو ہمارے سماج کی عکاس ہے۔آغاز ہی سے جب وہ سکول میں زیر تعلیم تھی مشاعروں میں شرکت کرتی تھی سامعین اور ممتاز اہل قلم نے اُن کی شاعری میں اُس وقت ہی امکانات تلاش کر لیے تھے۔زہرا نگاہ کا خاندان علم و حکمت شعر و سخن کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔وہ دس بہن بھائی ہیں جنہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں نام کمایا ہے۔مشہور ٹیلی ویژن فن کار انور مقصود آپ کے بھائی ہیں۔فاطمہ ثریا بجیا جو ٹیلی ویژن کے ڈراموں کی تخلیق کار تھیں۔آپ کی بہن ہے اور مشہور Cook Master زبیدہ آپا بھی آپ کی بہن ہیں۔سارہ نقوی آپ کی بہن عرصہ دراز سے بی بی سی سے وابستہ رہیں۔زہراہ نگاہ کا گھرانہ ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد دکن سے ہجرت کر کے کراچی آباد ہوا۔ایسے ماحول میں ان کی والدہ افسر خاتون نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت بڑے جی جان سے کیں۔زہرا نگاہ کے پہلے شعری مجموعے کا انتساب بھی اپنی

ماں کے نام ہے جہاں زہرا نگاہ لکھتی ہیں کہ ماں ہی نے مجھے شعر پڑھنا سکھایا۔آپ اُن خوش قسمت شاعروں میں سے ایک ہیں جو شاعری کے میدان میں قدم رکھتے ہی ادبی تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ابتدائی مشاعروں میں زہرا نگاہ جب شرکت کرتی تو اہلِ قلم سامعین ان کی بے حد پذیرائی کرتے۔انتظار حسین ان کے ابتدائی مشاعرے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اسی ہنگام میں ایک ایسے نام کا اعلان ہوا جو لاہور والوں کے لیے بالکل نیا تھا۔زہرا نگاہ دھان پان، بوٹا قد، کھلتی رنگت، بال کچھ بکھرے ہوئے کچھ سنورے ہوئے، بر میں سفید ساڑھی، دھج ایسی اس پر مستزاد اُس کا قیامت مترنم۔۔۔ادھر شاعرہ غزل سرا ہوئی اور ادھر مجمع کی کایا ہی بدل گئی۔مجمع کی درہمی غائب۔اب شعروں پر داد کے ڈونگرے برس رہے ہیں۔''(۴)

زہرا نگاہ نے کم لکھا ان کے تین مجموعے منظر عام پر آتے ہیں۔''شام کا پہلا تارا، ورق اور فراق'' اپنے منفرد لب و لہجے اور تخیل سے اپنی الگ شناخت قائم کی۔لہجے کی شائستگی نفاست خیال اور پُر ترنم اور اداس اسلوب نے روایت کے ساتھ انہیں اردو شاعری میں ممتاز حیثیت دی۔شام کا پہلا تارا مجموعہ کلام ۱۹۸۰ء میں منظر عام پر آیا۔زہرا نگاہ کی شادی محمد ماجد علی سے ۱۹۵۸ء میں ہوئی۔شوہر کی ملازمت کے سلسلے میں وہ بہت عرصہ پاکستان سے باہر دوسرے ممالک میں رہائش پذیر رہیں۔پہلے مجموعے کا دیباچہ عالمی شہرت یافتہ شاعر فیض احمد فیض، نے لکھا۔جس کا آغاز وہ ان دنوں کی یاد سے کرتے ہیں کہ جب زہرا نگاہ نے اپنے اشعار مشاعرے میں پڑھے تو سننے والوں نے کہا کہ یہ مخنی سی لڑکی اتنا عمدہ کلام کیسے تخلیق کر لیتی ہے ضرور کوئی بزرگ ہیں جو اسے لکھ دیتے ہیں۔

> ''زہرا نگاہ نے اپنے جذبات و احساسات کو غزلوں میں بیان کیا۔جہاں ایک نوعمر لڑکی خیالات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کا سلیقہ جانتی ہے۔نسائی لب و لہجہ اور اپنی منفرد شناخت زہرا نگاہ کی نظموں میں دکھائی دیتی ہے جہاں یہ شاعرہ حقیقت کی آنکھ سے اپنے گرد و پیش کو اپنے ماضی کو اور موجودہ حالات کو دیکھتی ہے۔''(۵)

ان کی نظموں میں عورت کی سوچ اور فکر کی عکاسی ہوتی ہے جو اس سماج میں شعور و آگہی کی میراث رکھتی ہے۔حالات اور واقعات کے کرب کو سہہ کر دل گداز لہجے میں شائستگی سے اشعار لکھ دیتی ہے۔جس میں غم کا عکس جھلکتا ہے۔غزلوں سے نظموں میں حقیقت کا رنگ پیش کرنا اور دل کو متاثر کرنے والی تصویر کشی کرنا زہرا نگاہ کی انفرادیت ہے۔اس حوالے سے فیض احمد فیض کہتے ہیں:

> ''مشاعرے کو لوٹنے کے بہت سے مجرب اور آزمودہ نسخے پہلے سے موجود ہیں جو زہرا نے چھوٹی سی عمر میں سیکھ لیے تھے اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو اسے لحن کا ایسا گداز عطا ہوا ہے جو اپنی جگہ زہرا کو شاعرہ اسٹار بنانے کے لیے کافی تھا۔متین زہرا اس شاعرانہ دور سے بہت جلد گزر گئی اور جس سُرعت کے ساتھ اسے یہ نسخے یاد تھے اسی عجلت سے انہیں بھول بھی گئی اور پھر اگلے دور میں قدم رکھتے ہی جسے شاہد رومانوی واقعیت کا دور کہہ سکتے ہیں۔اس کے مرحلہ ہائے ہنر بھی اتنی جلدی طے کر

لیے۔''(۶)

پہلے شعری مجموعے کی نظم ''شام کا پہلا تارا'' اپنے جذبات کو سادگی اور شائستگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔''شام کا پہلا تارا'' جو دو انسانوں کی مدارت کے لیے کچھ پہلے وقت سے طلوع ہوا تھا جب یہ دو انسان اکٹھے ہوئے تو اس تارے نے انہیں مسکرا کر خیر مقدم کیا۔شاعرہ نے اُس پورے ماحول کی تصویر کشی الفاظ کے ذریعے خوب کی ہے۔شام کے بعد رات کو ہونا اور ہر فکر اپنی ہی منزل میں مصروف دکھائی دیتی ہے۔ ہر سوچ اپنا ہی راستہ دکھاتی ہے اور موضوع سخن کی محفل میں سب لوگوں کی آنکھوں میں کمرے کا دھواں بھر آیا تھا اور اس صورتحال میں جو ہمارا غم خوار تھا وہ وہی شام کا پہلا تارا تھا وہی پہلا ہمارا دوست تھا اور اُس رات سحر تک جاگا تھا۔اس نظم کے دل کو چھو لینے والے اشعار واقعتاً ایک حساس عورت کی تخلیق ہیں۔ جن میں جذباتیت کی بجائے جذبے کی سادگی کو سلیقے سے پیش کیا گیا ہے۔ بلاوجہ کی آرائش الفاظ سے اجتناب کرتے ہوئے شائستہ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ دی گئی ہے۔زہرا نگاہ اپنے نسائی اظہار کے حوالے سے یہ کہتی ہیں کہ وہ فقط حقوق نسواں کی علمبردار نہیں کیونکہ ان کے نزدیک فن کو مختلف زمروں میں تقسیم نہیں کرنا چاہیے۔ان کے ہاں یہ بات زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ وہ اپنی شاعری میں ایک باشعور عورت کی حیثیت سے تمام حالات وواقعات کو دیکھتی ہیں۔اس کتاب ''شام کا پہلا تارا'' میں نظم ''جرم وعدہ'' ایک خیالی تمثیل ہے۔جس کے پردے میں قومی وملکی المیے کو پیش کیا گیا ہے۔ہجرت کا تجربہ پر تخلیق کار نے اپنے منفرد تجربے اور اسلوب کی بنیاد پر پیش کیا ہے۔زہرا نگاہ کی شاعری ابتداء ہی سے فکر کی پختگی اور روایت کے تال میل سے منفرد ذائقہ رکھتی ہے۔''جرم وعدہ'' نظم میں ایک ماں اپنے بیٹے کو ایک قصہ کئی سالوں سے سنانی ہے کبھی لوری کی صورت میں کبھی جھولے میں بہلاتے ہوئے اور اس دوران وہ اپنے بیٹے سے ایک وعدہ کرتی ہے کہ اس ملک میں جہاں تم پیدا ہوئے ہو وہاں تمہیں تحفظ ملے گا۔تمہاری آبرومندی قائم رہے گی تمہیں سربلندی ملے گی۔

زہرا نگاہ کے پہلے مجموعہ کلام میں موسم، رت، ہوا، سمندر، دریا بادل ہم کلام ہوتے نظر آتے ہیں۔لیکن اس کتاب میں ایسے جذباتی معاملات کی بھی روداد اتنے مختصر انداز میں بیان کی گئی ہے۔جس کی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے۔نظم ''سمجھوتہ'' مرد اساس معاشرے میں سانس لیتی عورت کے جذبات ہیں جہاں برابری کا درجہ عورت کو نہیں دیا جاتا جہاں وہ تمام حالات اور مجبوریوں سے سمجھوتہ کرتے ہوئے اپنے شریک حیات کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے۔سمجھوتے کی چادر سے یہ عورت اپنا تن بھی ڈھکتی ہے اس سمجھوتے سے مرد بھی آسودہ رہتا ہے۔اسی چادر کو تان کر مرد عورت کا گھر بن جاتا ہے اسی چادر کو اگر بچھا لیتے ہیں تو آنگن کھل جاتا ہے اور اگر سمجھوتے کی اس چادر کو اٹھا لیں تو چلمن گر جاتی ہے۔انداز سخن دیکھیے:۔

ملائم، گرم سمجھوتے کی چادر
یہ چادر میں نے برسوں میں بُنی ہے
کہیں بھی سچ کے گل بوٹے نہیں ہیں
کسی بھی جھوٹ کا ٹانکا نہیں ہے(۷)

مردانہ سماج میں عورت جس طرح جبر وستم سہتی ہے تمام زندگی اس مرد کا دست نگر بن کر جینا پڑتا ہے۔ایسی ہی عورت کے جذبات کا اظہار جہاں مرد عورت پر ظلم ڈھاتا ہے۔جسمانی تشدد کرتا ہے۔نظم ''تراشیدم۔شکستم'' میں دیکھا جا

سکتا ہے جہاں عورت اپنے ہونے والے ظلم ظلم کو بیان کرتی ہے کہ مرے زخم تازہ ہیں میرے بازو ور شاخِ بیجاں کی مانند ٹوٹے ہوئے ہیں۔ جس پیکر کو میں نے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا آج اس حقارت سے کیوں دیکھتا ہے۔ لیکن حقارت و نفرت اور ظلم درد دینے کا انداز اس باشعور عورت کے اندر غرور و تکبر کو پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ نظم ''آج غمگین نہیں حیراں ہیں ہم'' میں بھی عورت پر یہ حقیقت جب واضح ہو جائے کہ جس مرد کے لیے اُس نے اپنا سب کچھ قربان کیا اپنا آپ بھلا دیا وہ اتنی حقارت اور نفرت سے اُسے دیکھتا ہے۔ ایسے لمحوں میں آنکھیں ویران اور خشک ہو جاتی ہیں خانہ ویرانی میں ایک عورت یہ سوچتی ہے کہ یہ گزرگاہ خیال اجڑ گئی کوئی اور کوئی رستہ نہیں پھر آج حیران ہیں کہ عورت کو آخر اتنی قربانیوں اور حزمتوں کے میلیمیں ملا کیا ہے۔ لیکن ہمارے سماج میں عورت واپسی کا راستہ کیسے سوچے، عورت کے اسی احساس اور جذبے کو زہرا نگاہ نے نظم ''سوچتی ہوں اپنے رستے لوٹ جاؤں'' میں منفرد لہجے میں پیش کیا ہے۔ جس میں سماجی حقیقت کے سوا کچھ نہیں ایسی عورت جو مرد کے ظلم سے آزاد ہونے اپنے آپ کو شناخت کرانے کا سوچے بھی تو کیسے اس کے دل میں خوف خلق کا کانٹا کھٹکتا ہے۔ روح سے رسموں کی زنجیریں بھلا کیسے اور تڑوائی جائیں۔ عورت کے اسی زیست کے ذائقے کو نظم ''کچھ دن ہوئے اس گھر میں تھی'' میں پیش کیا گیا ہے۔ جہاں ایک عورت اپنے ماں باپ کے گھر میں ننھی میری حیثیت سے کھیلتی پھرتی تھی لیکن جب مرد وہ حق حاصل کر لیتا ہے۔ کہ عورت پر اپنی بالادستی قائم کرے تو یہ ننھی پری سچ مچ مر جاتی ہے جس کے ہاتھوں میں اک زنجیر ہے۔ اس پر ایک سانپ بیٹھا ہوا جو اسے ڈستا ہے اور خوش ہوتا ہے:

> ''شام کا پہلا تارا'' اس کتاب میں ممتا کا جذبہ بھی زہرا نگاہ کی شاعری میں محسوس کیا جا سکتا ہے جس میں ایک ماں کے روزمرہ زندگی کے معاملات بھی ہیں اور احساسات بھی جہاں ہر لمحہ یہ ماں اپنی بیٹیوں کے لیے دعا گو ہے۔''(۸)

نظم ''اپنے بیٹے علی کے نام'' میں زہرا نگاہ ایک ماں کے جذبات بیان کرتی ہیں انہیں وہ صبح ابھی بھی دلکشی کے ساتھ یاد ہے جب بیٹے علی کا وجود انہیں انعام کی صورت میں ملا تھا۔ یہ نام اُن کے کتاب رخ پر سرخی کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نظم میں واقعات درجہ بہ درجہ بیان کیے ہیں۔ جب بچہ چلنا سیکھتا ہے بولنا سیکھتا ہے تو ماں کس طرح محنت سے اُس کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتی ہے۔ اُن تمام یادگار لمحات کو دلفریبی کے ساتھ بیان کرتی ماں کہتی ہے۔ قدرت نے تجھے زبان دی تھی۔ میں نے تجھے بولنا سکھایا جو وقت میرا تمہارے ساتھ گزرا ہے وہ وقت مایہ بقا ہے۔ تمہاری پرورش و تربیت میں میرے کتنے دور گزر گئے۔ اس کی گواہی ایک ماں کے وہمات اور خدشات کو سچائی اور سادگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

> ''دن رات کی گردش مسلسل
> شانوں پر ٹھہر گئی ہے ساری
> چہرے کا پگھل رہا ہے سونا
> بالوں پر برس رہی ہے چاندی
> لیکن یہ ہے حسن آدمیت
> تو آ کے مجھے گلے لگا لے

بوسوں سے اگر نہ جاگ پاؤں
لوری کے سرور میں سلا دے۔''(۹)

زہرا نگاہ کے اظہار کی یہ خوبی ہے کہ وہ کہانی کے پردے میں مختلف علامتوں کے ذریعے بڑے بڑے قومی مسائل کو بیان کر دیتی ہیں۔ نظم ''بن باس'' میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل کے سیاہ ترین دور کی عکاسی کرتی ہے۔ جہاں ایک پارسا عورت کو سنگساری کی سزا سنائی جاتی ہے لیکن یہ عورت اپنے سچ اور یقین کے ساتھ آگ سے گزر جاتی ہے۔ نظم ''دیوار'' بھی اُن سیاہ دنوں کی غماز ہے جب سچ بولنا جرم تھا۔ زبانیں ورق ہو گئی تھیں نگاہیں خجل تھیں اور ہم انسان اپنے گناہوں کی پاداش میں رات دن دیوار کو چاٹتے تھے۔ اس امید پر کہ شاید یہ گر جائے ظلم کی دیوار پر ہمارے گناہوں کی سب داستانیں لکھیں تھیں لیکن ظلم بربریت کی یہ دیوار گرنے کا نام نہ لیتی۔ بلکہ ہر صبح یہ دیوار اپنے گرانے والوں کو للکارتی تھی لیکن پھر اس سیاہ ماحول میں کچھ احساس رکھنے والے جانتے تھے کہ زبانوں سے دیوار گرتی نہیں اس کوشش کو ختم کریں اور اپنے ہی دانشوروں سے اپنی زبانیں قلم کر لیں بندھے ہاتھ کھولیں ہاتھ میں ہاتھ دیں سچ کا کا ساتھ دیں اتحاد پیدا کریں مقدر سے پنجہ لڑائیں۔ شاعرہ امید رجائیت کا پیغام دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ ظلم کی یہ دیوار خود گر جائے گی۔ اس کا نام ونشاں باقی نہیں رہے گا۔ زہرا نگاہ کہتی ہیں شعر یا نظم اُس وقت تک تخلیق نہیں ہوتی جب تک واقعہ یا جذبہ شدت اختیار نہ کر جائے شاعرہ کا نسائی شعور ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور ان سے نظم ''تعمیل وفا کا عہد نامہ'' تخلیق کرواتا ہے۔ لسانی فسادات سے متاثر ہو کر کہتی ہیں کہ لاشوں کا کوئی وطن نہیں ہے۔ مُردوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی اجڑے ہوئے سب گھروں کی خامشی میں نوحے کی صدائیں ایک جیسی ہیں۔ اسی طرح کا احساس اور جذبہ نظم ''نظر بھر کے تم اُن پہاڑوں کو دیکھ'' میں جھلکتا ہے۔ جہاں بلوچستان میں انسانی لہو بہتا ہے۔ وہاں بس ہُو کا عالم ہے اور خامشی ہے جہاں خامشی گولی کی آواز سے ٹوٹتی ہے تو شاعرہ ظلم ڈھانے والوں اور دشمن پالیسیاں بنانے والوں کو کہتی ہیں کہ کبھی اپنے پیروں کے کانٹے فراموش کر کے نظر بھر ان پہاڑوں کو دیکھو۔ نظم ''ویت نام'' میں اُس ملک کے رہنے والے لوگوں کے حوصلوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے زہرا نگاہ امریکہ کی انسان دشمن پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں۔ امریکہ کے جنگی جنون نے بہت سے ممالک میں لہو کی بارش کی ہے لیکن ویت نام نے بہادری سے ان تمام مسائل ومصائب کو حوصلے سے برداشت کیا۔ ویرانے میں زندگی بسی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ برسوں سے اس ملک میں موت رقص کر رہی ہے اور برسوں سے اس ملک کے باشندے جی رہے ہیں۔ ڈرون حملوں کے حوالے سے ایک نظم ''بے آواز جہاز'' ہے نظم کے پہلے حصے میں ماضی کی اس روایت کو بیان کیا گیا کہ جب بچے کاغذ کے جہاز بنا کر اڑاتے تھے کبھی کبھی یہ اڑن کھٹولا اماں کے سر پر گر جاتا تھا۔ کبھی یہ اتنا اونچا اڑتا تھا کہ پیڑوں کی شاخوں سے الجھتا تھا۔ نظم کے دوسرے حصے میں ڈرون حملوں کی تباہ کاریوں پر نظر ڈالی گئی ہے اس سے پیدا ہونے والی تباہ و بربادی میں کئی بے گناہ گھرانے بھی نشانہ بنتے ہیں۔ انسانیت پر اس کے بُرے اثرات کو شاعرہ یوں بیان کرتی ہے:

''گاؤں میں اب کوئی بھی نہیں
ماں نے نیچی چھت کا دوپٹہ اوڑھ لیا ہے
پیڑ نے اپنا رشتہ، جڑ سے توڑ دیا ہے

گاؤں میں اب بچے بھی نہیں
اس پڑوس میں جو باقی ہیں
وہ کچھ گم سم سے رہتے ہیں
جب بھی ہوا ملبے سے کاغذ لے آتی ہے
وہ اس کو تکتے رہتے ہیں
بے آواز جہاز بنانا بھول گئے ہیں
شور مچانا بھول گئے ہیں۔''(۱۰)

زہراہ نگاہ کا دوسرا مجموعہ کلام ''ورق'' ہے۔اس کتاب کا انتساب زینب اور لیلیٰ کے نام ہے۔اسے سے آگے زہراہ نگاہ یہ لکھتی ہیں۔''ورق یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا'' اس کتاب کی تقریظ احمد ندیم قاسمی نے لکھی ہے جس میں وہ اس بات کو سراہتے ہیں کہ زہراہ نگاہ کی شاعری میں امکانات کی دنیائیں آباد ہیں اور وہ دھیمے لہجے اور سبک رفتار کے ساتھ اردو شاعری کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔آج اُن کی شاعری ان کی شناخت بن چکی ہے:

''جو لوگ زہرا آپا سے متعارف ہیں وہ ان کی آواز کے بظاہر دھیمے پن اور ان کی شائستگی کے باوجود یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ انہوں نے ایک عجیب صورتحال کو ایسے تیکھے اسلوب سے واضح کیا ہے اور ایسی بلیغ رمز سے کام لیا ہے کہ ان کے کلام کا قاری یا سامع اپنے باطن میں دکھ کر تیز دھار لہریں اترتی محسوس کرتا ہے۔رشتوں،رابطوں اور رفاقتوں کا بھرپور احترام کرنے والی زہرا ان کی شکست وریخت،ان کے انتشار اور ان کے زوال کے تذکرے میں بظاہر ٹوٹ پھوٹ رہی ہوتی ہیں مگر مایوسیوں کے تیز کھولے ان کی امید کے چراغوں کی لوؤں کو بجھاتے نہیں۔''(۱۱)

اس مجموعے ''ورق'' میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعرہ نے اپنے غم،دکھ،کرب کو ورق پر اتار دیے ہیں۔اب آنکھوں سے نوعمری کے سب رنگ مٹتے دکھائی دیتے ہیں اور پہلے جو قریبی ساتھی تھے وہ بچھڑ گئے اور ایسا لگتا ہے کہ یہاں ایک دم سے عمر کی دھوپ چڑھ گئی جس نے رازوں کے قزانوں کو بکھیر کر رکھ دیا اور ہوس وحواس کی گرمی سے تمام کھلونے ٹوٹ چکے ہیں۔باتوں کے رنگین غبارے کسی اور کی چھت پر اثر گئے ہیں۔غم کی خوگر زہراہ نگاہ نے اپنے ماہ وسال میں بہت سے وقت دیکھے۔بستیاں اجڑتی دیکھیں۔خاندان بکھرتے دیکھے لوگ جس طرح بے گھر بے اماں قافلہ در قافلہ سفر کر رہے وہ دکھ بھی زہراہ نگاہ نے اپنے خاندان کے ساتھ برداشت اپنے وہ زمانہ بے شک ماضی ہو گیا لیکن حساسیت غم اور دکھ کا ساتھ اب بھی زہرا کی طبیعت میں شامل ہے۔اس کتاب کی پہلی نظم ''زہرا نے بہت دن سے کچھ نہیں لکھا'' اُن کی کیفیات خامشی اور بھلاوے کی عادت کی عکاسی کرتی ہے۔زہرا نے بہت دن سے کچھ نہیں لکھا۔جب کہ وہ اتنی بوڑھی نہیں ہوئی کہ تھک گئی ہو بلکہ وہ کہتی ہیں کہ جان بوجھ کر میں نے ہر چیز بھلاوے کے صندوق میں رکھ دی ہے کیونکہ جیتے جانے کا یہی طریقہ بہتر ہے کہ آپ زندگی کی تلخیوں کو بھول جائیں نظم میں عورت کے احساس کو زبان دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ عورت یہ سمجھتی ہے کہ یہ گھر اس کی حفاظت کا قلعہ ہے۔مٹی ہو پتھر ہو ہیرا ہو یا موتی گھر کی ہر شے اُس کی ہے۔لیکن وہ معصوم یہ نہیں

جانتی کہ اس معاشرے میں گھر بار کا جو سربراہ ہے اُس کا قبضہ گھر کے ساتھ ساتھ عورت پر بھی ہے۔ اپنی ذات کی آگاہی کا اقرار کرتے ہوئے زہرا نگاہ کہتی ہیں کہ دو بیٹوں کو پال کر میں ناداں یہ سمجھتی تھی کہ اس دولت دنیا کی وہ تنہا مالک ہے لیکن وقت نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ بڑھتے ہوئے بچوں پر کھلتی ہوئی دنیا کا ہر باب تماشا ہے۔ رشتوں کا احترام کرنے والی زہرا قریبی رشتوں کی بے حسی کے غم کو بھی دھیمے انداز سے پیش کرتی ہیں۔

''سیاسی موضوعات کو اپنی شاعری میں بیان کرنے کا سلیقہ جس میں شائستگی اور دھیما پن محسوس کیا جائے۔''(۱۲)

ضیا دور میں حدود آرڈیننس نے جس طرح حقوق نسواں کو نقصان پہنچایا۔ خواتین کے ساتھ زیادتیاں کی گئی اور اس دور میں ایک اندھی لڑکی کو زنا کے الزام میں سزا سنائی گئی۔ اس کیس نے اہل علم اور دانشوروں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا کشور ناہید نے بھی اپنی ایک نظم میں اس سزا کے خلاف احتجاج کیا زہرا نگاہ کی نظم ''انصاف'' اسی لڑکی کے جذبات کی کہانی ہے جیسے شاعرہ کا قلم حقیقت کے ساتھ ہمارے سامنے بیان کرتا ہے وہ جس کمرے میں قید ہے اس کے در و دیوار سے اپنے گھر ہو کر آتی ہے جہاں اُسے اپنے گھر والے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اندھی لڑکی خیالوں میں سوچتی ہے کہ اب بھی میرا باپ جب شہر سے آتا ہوگا تو میرے لیے چادر، کنگھی، کاجل چوڑیاں لے کر آتا ہوگا۔ میرے دونوں بھائی مسجد میں قرآن پاک پڑھنے جاتے ہوں گے۔ میری بہن میرے حصے کی روٹی چنگیز میں ڈھانپ کر رکھ دیتی ہوگی۔ نظم کے آخری حصہ میں زہرا نگاہ نے جس درد کے ساتھ اُس لڑکی کی ماں کی تصویر کھینچی ہے وہ قابل بیان ہے کہ اُس کی ماں کچھ پاگل سی ہے۔ پتھر چنتی ہے اور چڑیوں کو دانہ ڈالتی ہے۔ اس کی ماں کا خیال ہے جب چڑیاں اپنے پنجوں میں سنگ سمولیں گی تو وہ طوفان آئے گا جس سے ہر منصف ہر منبر پارہ پارہ ہو جائے گا پھر حاکم اعلیٰ ہی میرا انصاف کرے گا۔ جس کی نظر میں سب برابر ہیں آخر میں یہ اندھی لڑکی سوال اٹھاتی ہے کہ میں اپنی ماں کو کیسے سمجھاؤں کہ میں عورت ہوں۔ جس پر ظلم آسانی سے روا کیا جا سکتا ہے۔ میں خانہ کعبہ نہیں۔ اس کتاب میں زہرا نگاہ اپنے باطن کی گہرائی کو جذبے کی شکل میں ہمارے سامنے رکھ دیتی ہیں۔ ذات آگہی کا انداز نرالا ہے۔ جسے پڑھ کر بے ساختہ قاری کے دل میں دکھ کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ کہ بظاہر دوسروں کے لیے ہنستا ہوا چہرہ فرصت رکھتا ہے۔ لیکن دل میں ماضی کی یادیں پناہ گزریں ہیں:

''مجھے فرصت ہی فرصت ہے
سویرے جلد اٹھنا ہے
نہ شب کو دیر سے سونا ہے
کہیں باہر نہیں جانا
کسی سے بھی نہیں ملتا
نہ کوئی فکر لاحق ہے
نہ کوئی یاد باقی ہے
مگر یہ آخری مصرع

ذرا سا جھوٹ لگتا ہے۔''(۱۳)

زہرا نگاہ نے اپنے نسائی اظہار کے ذریعے سماج کے دیے ہوئے دکھ جو اُس نے عورت کی جھولی میں ڈالے ہیں۔ان کا بیان درد و گداز لہجے میں کرتی ہیں۔گھر کی چار دیواری میں رہنے والی عورت گرہستی کے تختے پر جکڑی یہ عورت خود اپنے لوگوں کے دیے ہوئے زخموں کو بدن میں چھپائے زندگی کے میلے میں گھومتی ہے۔نظم ''میلہ گھومنی'' مرد اساس معاشرے میں عورت کے اس دکھ کو بیان کرتی ہے۔زندگی جو اس کے لیے جیتی جاگتی موت بن گئی ہے اس کے کنواں میں خنجروں کی بوچھاڑ میں یہ اپنے شب و روز گزارتی ہے لیکن اس کھیل کو کوئی نہیں دیکھنا اور نہ احساس کرتا ہے۔''ادھورا خواب'' نظم میں شاعرہ نے اس عورت کے احساس کو زبان دی ہے جو جس کی ننھی سی جاں اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اُس کی کوکھ میں دم توڑ چکی ہے۔اس عورت کے تمام اعضا پریشان ہیں۔کوکھ میں ماتم بپا ہے۔اس دکھ کو وہی عورت سمجھتی ہے جو اس درد میں سلگ رہی ہو۔ہمارے ملک پاکستان میں جنسی زیادتی کے واقعات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔یہاں نہ تو تین سال کی بچی محفوظ ہے نہ بچے کی ماں محفوظ ہے۔زہرا نگاہ نے اس موضوع پر غم اور دکھ کے ساتھ اپنے احساسات کا اظہار نظم ''بھیجو نبی جی رحمتیں'' میں کیا ہے جو پنجاب کے تناظر میں لکھی گئی ہے۔اک گھر ہے کھیت اور کھلیان کے ساتھ میدان سے تھا۔وہ عورت جو جنسی تشدد کا نشانہ بنتی ہے۔وہ گھر میں اکیلی تو نہ تھی۔زہرا نگاہ نے کمال کی تصویر کشی کی ہے اس نظم میں کہ ہانڈھی چولہے پر چڑھی تھی آٹا گندھا تیار تھا۔جھولے میں ایک بچہ تھا پنجرے میں ایک طوطا تھا۔طاق میں قرآن رکھا تھا۔جس پر اُس عورت کو ایمان تھا بچے کو بہلاتے بہلاتے چولہے کو سلگائے جا رہی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ طوطے کو سکھلاتی تھی۔اچھے میاں مٹھو کہو بھیجو نبی جی رحمتیں، بھجو نبی جی برکتیں، آل نبی کا واسطہ۔آگے کیا ہوتا ہے۔دیکھیں:۔

اک دن اچانک کیا ہوا — ٹھوکر سے دروازہ کھولا
اک جانور انسان نما — پنجوں کو لہراتا ہوا
کمرے میں آتا ہی گیا — ہر شے پہ چھاتا ہی گیا
چادر جو سر سے کھینچ گئی — قرآن کا چہرہ ڈھک گئی
روٹی توے پر جل گئی — ہانڈی ابل کر رہ گئی
بچے کا جھولا گر پڑا — طوطا پھڑک کر چیخ اٹھا
بھیجو نبی جی رحمتیں — بھیجو نبی جی برکتیں
آلِ نبی کا واسطہ — آل نبی کا واسطہ
پر کوئی آیا ہی نہیں(۱۴)

''زہرا نگاہ نے جس غم کے ساتھ اپنے قلم سے کئی عورتوں کی اذیت کو بیان کیا قاری کے دل میں درد کی لہر ضرور پیدا ہوتی ہے۔اس نظم کی منظر کشی جو تاثر کو بڑھا دیتی ہے۔وہ تمام اس متوسط طبقے کی عورت کے حوالے سے ہے۔مثلاً روٹی کا جلنا، ہانڈی کا ابلنا بچے کا جھولا گرنا اور جو سطر دکھ کو اور زیادہ پڑھا کر ہمیں غمگین کرتی ہے۔''پر کوئی آیا ہی نہیں۔''(۱۵)

زہرا نگاہ کا نسائی اظہار اس بات کو خوب جانتا ہے کہ ہمارے ہاں وطن کے رکھوالوں، سیاستدانوں، حاکموں اور افسروں کا لالچ کم نہیں ہوتا بلکہ ہر نئے دن کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں نہ قانون کی بالادستی ہے۔ نہ حقوق انسانی کا خیال یہاں تو جنگل کا قانون بھی نہیں زہرا نگاہ کی یہ انداز بیان کی خوبی ہے۔ کہ وہ بڑے بڑے گھمبیر مسائل کو آسان الفاظ میں اور سادگی وشائستگی کے ساتھ بیان کر دیتی ہیں۔ لہجے میں احتجاج ہے لیکن چیخ و پکار نہیں۔ ان کی بہت مشہور نظم ''سنا ہے'' کراچی کو لوٹنے والوں کے حوالے سے لکھی ہے اور آج کے حالات یہ بھی یہ نظم صادق آتی ہے:

''سنا ہے
جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے
سنا ہے
شیر کا جب پیٹ بھر جائے تو وہ حملہ نہیں کرتا
درختوں کی گھنی چھاؤں میں جا کر لیٹ جاتا ہے
ہوا کے تیز جھونکے جب درختوں کو ہلاتے ہیں
تو مینا اپنے بچوں کو چھوڑ کر
کوے کے انڈوں کو پروں سے تھام لیتی ہے
سنا ہے گھونسلے سے کوئی بچہ گر پڑے
تو سارا جنگل جاگ جاتا ہے۔
سنا ہے جنگلوں کا بھی دستور ہوتا ہے
خداوند! جلیل ومعتبر! دانا وبینا! منصب واکبر
میرے اس شہر میں اب جنگلوں ہی کا کوئی قانون نافذ کر!''(۱۶)

زہرا نگاہ نے اپنے تخلیقی اظہار کے ساتھ آمریت پیدا کرنے والے اور اس کی راہ ہموار کرنے والوں اس کو طوالت دینے والوں کو بھی اپنی شاعری میں بے نقاب کیا ہے۔ جمہوریت کے اسی ہجوم میں باعقل اور باہوس لوگ جو سربراہ حکومت کے درست راست بھی تھے یہ کیمیا گر لوگ اپنی حفاظت کا عجیب طرح کا نسخہ (آمریت) لاتے ہیں۔ جو انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے سخت نقصان دہ ہوتا ہے۔ مارشل لاء کی تلخی ایک عورت یوں بھی پیش کرتی ہے۔ نظم ''ڈاکو'' بھی مارشل لاء کے دور استبداد کے پس منظر میں لکھی گئی ہے جب حاکم وقت نے جہاد کا حکم دیا اور افغانستان میں جہادی بھیجے گئے۔ ماؤں کے کم سن بیٹے چہرے پر منڈھے خاکی کپڑا، سر پر بندوق، اٹھائے گھر آتے تھے اور مائیں معصومیت سے ان کا استقبال کرتی تھیں اور اردو ادب میں یہ نسائی لہجہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب کی غزلیات میں بھی دکھ، درد، مایوسی، اور غم کی کیفیت نظر آتی ہے۔ جو اپنے عہد کی کربناکی کو مزید واضح کرتی ہے:

''ہر جذبہ معصوم کی لگ جاتی ہے بولی
کہنے کو خریدار پرایا نہیں ہوتا،

عورت کے خدا دو ہیں حقیقی، مجازی
اور اس کے لیے کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا
دی جس نے محمد کی رسالت پہ گواہی
اب اس کی گواہی کا بھروسا نہیں ہوتا۔'' **(۱۷)**

زہرا نگاہ کا تیسرا مجموعہ کلام ''فراق'' ہے۔ جسے انہوں نے اپنے مرحوم بھائی احمد مقصود کے نام معنون کیا ہے۔ یہ اشعار درج ہیں:

مجھ کو شکوہ ہے مرے بھائی کہ تم جاتے ہوئے — لے گئے ساتھ مری عمرِ گذشتہ کی کتاب
تم سے روٹھے بھی بہت اور تمہیں چاہا بھی بہت — روٹھنا یاد ہے چاہت کا نہیں کوئی حساب **(۱۸)**

آغاز ہی میں وہ اس بات کا بیان کرتی ہیں کہ:

''دو زمانے میرے ساتھ چل رہے ہیں۔ ایک میرے سامنے ہے اور دوسرا میری یاد میں ہے۔''(۱۹)

اس مجموعے کی نظمیں اور غزلیں اس بات کی غماز ہیں کہ شاعرہ کا نسائی تشخص اور اظہار میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ اس کتاب کے موضوعات اور لب و لہجہ مختلف ہے۔ سیاسی و سماجی پس منظر میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت کو یہاں محسوس کیا جا سکتا ہے اور شاعرہ انسانیت کے معیار پر دنیا کے کسی بھی خطے میں بسنے والے انسانوں کو نظر انداز نہیں کرتی۔ غم دکھ، اذیت اور مسائل کا دوچار انسان یہاں شاعری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں اجتماعی غم ذاتی بن جاتا ہے اور دھیمے پن کے لہجے میں شاعری میں در آتا ہے۔ عورت کے حوالے سے زہرا نگاہ معاشرے میں اُس مرد کے برابر حقوق دینے کی خواہش مند ہیں۔ وہ عورت کے حوالے سے تمام جھوٹی روایتوں کو مسترد کرتی ہیں۔ جن سے عورت کا منفی تاثر مرد اساس معاشرے میں پیدا ہوا۔ نظم ''حوا کا بیان'' مختصر اور تاثر سے بھرپور نظم ہے۔ جس میں شاعرہ سادگی و پرکاری سے احساس دلاتی ہے۔ کہ مرد کو عورت نے جنت سے نہیں نکلوایا تھا۔ وہ گیہوں کا دانہ عورت کی دسترس میں نہیں تھا اور نہ ہی سانپ سے اس کی دوستی تھی۔ دوستی کا جذبہ صرف آدم سے منسلک تھا۔ اگر کوئی اس کائنات میں اچھا لگا تو وہ آدم ہی تھا۔ غزل کا شعر ہے:

ایک کے گھر کی خدمت کی — اور ایک کے دل سے محبت کی
دونوں فرض نبھا کر — اس نے ساری عمر عبادت کی **(۲۰)**

دو مصرعوں میں عورت کی عمر کی کارگزاری بتا رہی یہ ہنر زہرا نگاہ کا ہی ہے۔ نظم ''یہاں دلدار بیگم دفن ہیں'' وہ شاہکار نظم ہے جو عورت کے دکھ پر ایک ناول کا درجہ رکھتی ہے۔ زہرا نگاہ نے اس نظم میں کوزے میں دریا بند کر دیا۔ تیسری دنیا کے ملکوں خاص کر ہندوستان اور پاکستان میں عورتوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جن کے دکھ درد کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یہ عورتیں جب دنیا میں آنکھ کھولتی ہیں تو ان کے اندر ایک انجانا سا ڈر خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ اندھیری کوٹھڑی جوان کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ دروازے سے چھپ کر کس شوق سے دنیا کو دیکھتی ہیں۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو کھڑکیوں کی اوٹ سے گلیوں کا منظر دیکھنا ہوتا ہے۔ جونہی یہ خواتین جوانی میں قدم رکھتی ہیں تو حفاظت کا تصور اس قدر

وحشت زدہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے جسم سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے پھر مختلف خریدار آ کر انہیں دیکھتے ہیں۔ زندگی میں خوف کے گہنے سجا کر جھجک کے پھول پہن کر یہ خریدار اسے پھر ایک کوٹھڑی میں قید کر دیتا ہے پھر ذرا ہوش آنے کے بعد دورِ نوعمری گزر جاتا ہے پاؤں چوکھٹ کی جانب بڑھنے لگتے ہیں تو ننھے ننھے ہاتھ اک زنجیر بن جاتے ہیں۔ آگے اس عورت ''دلدار بیگم'' کی زندگی یوں ہوتی ہے:

اب وہ اس رستے میں ہے سب جس کو راہ مرگ کہتے ہیں
منجمد آنکھوں میں اب منظر ٹھہرتے ہی نہیں
اب کسی چوکھٹ کی جانب پاؤں بڑھتے ہی نہیں
ننھے ننھے ہاتھ کچھ اس طرح سے اونچے ہو گئے اب دسترس سے دور ہیں
اپنی زنجیروں میں خود محصور ہیں
اس کی اندھی کوٹھڑی پر ایک کتبہ نصب ہے
اس جگہ دلدار بیگم دفن ہے
وہ عفیفہ، پارسا، صابر و شاکر سو رہی ہے
یہاں سے غیر مردوں کا گزرنا منع ہے۔''(۲۱)

اس کتاب کی نظموں کا ہم تانیثی حوالہ خودکش حملوں کی وجہ سے پوری دنیا بالخصوص اس خطے میں تہذیبی منظر نامے پر تبدیلیاں ہیں۔ خودکش حملوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خوف و ہراس اور نے یہاں رہنے والوں کی ذہنی نفسیاتی سماجی و سیاسی زندگی کو شدید متاثر کیا ہے۔ یہاں زہرا نگاہ بدامنی، خوف ہراس بے تحفظی کو اپنی شاعری میں پیش کرتی ہیں۔ وہ سامراجیت کے منصوبوں کو سادگی سے بے نقاب کرتی ہیں غم دوراں خلوص کے ساتھ ان کی نظموں میں دکھائی دیتا ہے۔ زہرا نگاہ کی اس موضوع میں دکھائی دیتا ہے۔ زہرا نگاہ کی اس موضوع پر مشہور نظم ''قصہ گل بادشاہ'' کا ہے۔ ایک ایسا نوجوان جس کی عمر تیرہ برس ہے اس نظم کا مرکزی کردار ہے اُس کی کہانی یوں بیان ہوئی ہے۔

''لوگ کہتے ہیں یہ امن کی جنگ ہے
امن کی جنگ میں حملہ آور
صرف بچوں کو بے دست و پا چھوڑتے ہیں
ان کو بھوکا نہیں چھوڑتے
آخر انسانیت بھی کوئی چیز ہے
میں دہکتے پہاڑوں میں تنہا
اپنے ترکے کی بندوق تھامے کھڑا ہوں
تماشائے اہل کرم دیکھتا تھا
تماشائے اہل کرم دیکھتا ہوں۔''(۲۲)

زہرا نگاہ کے نسائی تشخص کا حوالہ وہ نظمیں بھی ہیں جن میں انہوں نے معاشرے کی بدلتی ہوئی انسانی، اخلاقی تہذیبی اقدار کو موضوع بنایا ہے۔ آج کا انسان کس قدر مصنوعی بن چکا ہے۔ اس کا اثر اس کے احساسات اور زبان پر بھی ہے۔ ماضی کی یاد کے ساتھ ساتھ جدید زمانے کے کھوکھلے پن کو انہوں نے نرمی و سادگی کے ساتھ اپنی شعری اظہار میں برتا ہے۔

اس کتاب کی آخری نظم ''وہ کتاب'' ہے۔ جس میں شاعرہ اعتراف کرتی ہے کہ مری زندگی کی لکھی ہوئی وہ کتاب مرے طاقِ دل پر سجی ہوئی ہے۔ یہ میری منتظر ہے کہ میں اسے پڑھوں اس کتاب کے سبھی ورق جڑے ہوئے ہیں:۔

''مجھے خوف ہے کہ کتاب میں
مرے روز و شب کی اذیتیں
وہ ندامتیں وہ ملامتیں
کسی حاشیے پر رقم نہ ہوں
میں فریب خوردہ برتری
میں اسیر حلقۂ بزدلی
وہ کتاب کیسے پڑھوں گی میں۔''(۲۳)

فراق کے بعد زہرا نگاہ کو شعری مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا۔ اپنے انٹرویوز میں اور فیض احمد فیض فیسٹول میں اینول نے اپنا تازہ کلام سنایا۔ ایک بہت اچھی نظم ''میں بچ گئی ماں'' ان کے تازہ کلام میں شامل ہے۔ زہرا نگاہ اُس بچی کو اس نظم کا موضوع بناتی ہیں جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوتی ماں کے پیٹ میں اُسے لہولہو کر دیا گیا۔ صرف یہ سوچ کر یہ بیٹی ہے بیٹا نہیں:

''میں بچ گئی ماں
میں بچ گئی ماں
تیرے کچے لہو کی مہندی میرے پور پور میں رچ گئی ماں
میں بچ گئی ماں
گر میرے نقش ابھر آتے
وہ پھر بھی لہو سے بھر جاتے
میری آنکھیں روشن ہو جاتی
تیزاب کا سرمہ لگ جاتا
سٹے وٹے میں بٹ جاتی
یا کاری کے کام آجاتی
میرا قد جو تھوڑا سا بڑھتا
میرے باپ کا قد چھوٹا پڑتا

میری چُنڑی جو سر سے ڈھلک جاتی
میرے بھائی کی پگڑی گر جاتی
تیری لوری سننے سے پہلے
میں اپنی نیند میں سو گئی ماں
انجان نگر سے آئی تھی
انجان نگر میں کھو گئی ماں۔''(۲۴)

یہ سب ایک عورت ہی سوچ سکتی ہے المیہ یہ ہے کہ نظم میں عورت کے ساتھ ہونے والے مظالم کو پیش کیا گیا ہے۔انتظار حسین نے زہرا نگاہ کے نسائی اظہار کے بارے میں کیا ہے:

''ان کی شاعری نسائی تہذیب میں رچ بس کر نمایاں ہوئی تو اس کے لہجے میں کتنی دردمندی اور کتنی شائستگی آ گئی۔ جا بجا یوں لگتا ہے کہ ان کی یہ آپ بیتی ہے اور ان کا یہ دکھ نجی دکھ ہے۔خالص عورت والا نجی دکھ مگر پھر اس میں جگ بیتی کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔''(۲۵)

''زہرا نگاہ عصر حاضر کی ایک خود آگاہ اور جہاں آگاہ شاعرہ ہے جس کے ہاں روایت اور تجربے کے اشتراک سے ایسے اشعار کی تخلیق ہوتی ہے جو فرد اور معاشرے کے ترجمان ہیں۔اس کا امتیاز وہ نسائی حسیت ہے جس نے اس کے شعر کو ایک منفرد دلکشی بخشی ہے۔جذبے اور شعور و آگہی کا تال میل اس کی شاعری کا سنگ بنیاد ہے۔''(۲۶)

زہرا نگاہ اردو شاعری میں نسائی اظہار کے اعتبار سے مستند حوالہ رکھتی ہیں۔جس میں آج کے سماج کی عورت ہر روپ ہر رنگ اور زیست کے ذائقے سے آشنا، نظر آتی ہے۔اُن کا نسائی شعور، سماجی تہذیبی سیاسی منظر نامے کو تمام امکانات کے ساتھ ہمارے سامنے لاتا ہے۔مشرقی نسائی مزاج کی عکاسی زہرا نگاہ کی شاعری میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شان الحق حقی، زاہدہ خاتون شیروانیہ، مشمولہ: فیمینزم اور ہم، (کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء)، ص ۶۰

۲۔ فاطمہ حسن، اردو شاعرات اور نسائی شعور، (کراچی: جامعہ اردو، ۲۰۲۰ء)، ص ۱۹

۳۔ ایضاً، ص ۴۳

۴۔ انتظار حسین، فلیپ: مجموعہ کلام زہرا نگاہ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)

۵۔ عظمیٰ فرمان فاروقی، اردو ادب میں نسائی تنقید، (کراچی: سعید پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۴۷

۶۔ فیض احمد فیض، دیباچہ: شام کا پہلا تارا، از: زہرا نگاہ، (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۰ء)

۷۔ کلیات زہرا نگاہ، ص ۶

۸۔ سعدیہ بلوچ، نسائی شاعری کا پس منظر، مشمولہ: فیمینزم اور ہم، ص ۷۲

۹۔ زہرا نگاہ، اپنے بیٹے علی کے نام، مشمولہ: کلیات زہرا نگاہ، ص ۷۲

۱۰۔ زہرا نگاہ، بے آواز جہاز، مشمولہ: کلیات زہرا نگاہ، ص ۸۹۔۸۸

۱۱۔ کلیات زہرا نگاہ، ص ۱۰۳

۱۲۔ شاہدہ حسین، نسائی حسیت کا اظہار اور شعری پیرائے، مشمولہ: فیمینزم اور ہم، ص ۱۵۲

۱۳۔ کلیات زہرا نگاہ، ص ۱۴۱

۱۴۔ کلیات زہراہ نگاہ، ص ۱۶۳

۱۵۔ نجمہ رحمانی، آزادی کے بعد اردو شاعرات، (کیلیفورنیا: کیلیفورنیا یونیورسٹی، ۱۹۹۶ء)، ص ۱۵۳

۱۶۔ زہرا نگاہ، ''سناٹے''، مشمولہ: کلیات زہرا نگاہ، ص ۱۶۵

۱۷۔ کلیات زہرا نگاہ، ص ۱۶۰

۱۸۔ زہرا نگاہ، فراق، (کراچی: شہزاد پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۴

۱۹۔ زہرا نگاہ، حرفِ سپاس، مشمولہ: فراق، ص ۱۱

۲۰۔ کلیات زہرا نگاہ، ص ۲۰۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۰۳

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۴

۲۳۔ زہرا نگاہ، وہ کتاب ہے، مشمولہ: کلیات زہرا نگاہ، ص ۲۸۰

۲۴۔ زاہرہ نگاہ بحوالہ www.rekhta.org/

۲۵۔ انتظار حسین، فلیپ: مجموعہ کلام زہرا نگاہ، از: آصف فرخی (کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۵ء)، مرتبہ

۲۶۔ آصف فرخی، مشمولہ: مجموعہ کلام زہرا نگاہ، ص ۱۲۲